Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Contemporary Social Problems of the Youth and Their Solutions in the Light of the Prophetic Biography Seerah

عصر حاضر میں نوجوان نسل کے معاشرتی مسائل اور ان کا حل: سیرت نبوی کی روشنی میں

MEHMOONA
MPhil. Religious Scholar, Department of Religious Studies, Rashid Latif Khan University, Lahore, Pakistan.
buttmehmoona22@gmail.com
Dr. Mohsin Zia Qazi
HoD Religious Studies and Graduate Studies, Rashid Latif Khan University, Lahore
mohsin.ziaqazi@rlku.edu.pk

Abstract: Youth constitute one of the most valuable assets of any nation and play a decisive role in its intellectual, moral, social, and economic development. This study examines the role of youth and the contemporary challenges they face from the perspective of the Qur'an and Sunnah. The paper highlights the importance of youth by referring to Qur'anic examples such as the People of the Cave (Ashab al-Kahf) and the young followers of Prophet Musa (A.S.), as well as Prophetic teachings that emphasize the significance of youth, responsibility, and accountability. Furthermore, it discusses the major challenges confronting modern youth, including the loss of purpose in life, weak attachment to divine guidance, career-centered lifestyles, moral decline, educational shortcomings, globalization, lack of balanced character development, and unfamiliarity with Islamic history and civilization. The study concludes that the Qur'an and Sunnah provide a comprehensive framework for nurturing responsible, morally upright, and intellectually sound youth. It also emphasizes the collective responsibility of parents, educators, scholars, and society in preparing young people to meet contemporary challenges while preserving their Islamic identity and values.

Keywords: Youth, Qur'an and Sunnah, Contemporary Challenges, Islamic Education, and Moral Development.

تمہید:

ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن کے مطابق 15 سال سے لے کر 24 سال تک کی عمر کو نوجوان کہا جاتا ہے۔ اسی میں بچپن اور لڑکپن کا دور بھی شامل ہیں۔ World Population Statistics کے مطابق دنیا کی کل آبادی میں 50 فی صد آبادی 25 سال سے نیچے کی عمر پر مشتمل ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ نوجوانوں کی آبادی بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

نوجوانوں کی اہمیت

قوتوں، صلاحیتوں، حوصلوں، امنگوں، جفاکشی، بلند پروازی اور عزائم کا دوسرا نام نوجوانی ہے۔ کسی بھی قوم وملک کی کامیابی وناکامی، فتح و شکست، ترقی و تنزل اور عروج وزوال میں نوجوانوں کا اہم کردار ہوتا ہے۔ ہر انقلاب چاہے وہ سیاسی ہو یا اقتصادی، معاشرتی سطح کا ہو یا ملکی سطح کا

سائنسی میدان ہو یا اطلاعاتی و نشریاتی میدان، غرض سبھی میدانوں میں نوجوانوں کا کردار نہایت ہی اہم اور کلیدی ہوتا ہے۔ روس کا انقلاب ہو یا فرانس کا، عرب بہار ہو یا مارٹن لوتھر کنگ کا برپا کردہ انقلاب، ہر انقلاب کو برپا کرنے کے پیچھے نوجوانوں کا اہم حصہ کارفرما رہا ہے۔ ماضی میں بھی جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے ہر چھوٹی بڑی تبدیلی نوجوانوں ہی کے ذریعے آئی ہے۔ زمانہ حال میں بھی ہر چھوٹی بڑی تنظیم یا تحریک چاہے سیاسی ہو یا مذہبی، سماجی ہو یا عسکری، ان میں نوجوان ہی پیش پیش ہیں۔ مستقبل میں بھی ہر قوم و ملک اور تنظیم انہی پر اپنی نگاہیں اور توجہ مرکوز کیے ہوئے ہے۔

پہلے قرآن مجید کی طرف رجوع کریں گے کہ وہ نوجوانوں کی اہمیت اور کردار کے بارے میں کیا کہتا ہے۔ قرآن مجید اصحاب کہف کے حوالے سے نوجوانوں کا کردر اس طرح سے بیان کرتا ہے، ہم ان کا اصل قصہ تمہیں سناتے ہیں۔ وہ چند نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لے آئے تھے اور ہم نے ان کو ہدایت میں ترقی بخشی تھی۔ یہ وہ نوجوان تھے جنھوں نے وقت کے ظالم حکمران کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رب العالمین پر ایمان لا کر حق پرستی کا اعلان کیا۔

اللہ تعالیٰ ان کے عزائم و حوصلے اور غیر متزلزل ایمان اور ان کے عالم گیر اعلان کے بارے میں اس طرح فرماتا ہے:

"وَرَبَطْنَا عَلَى قُلُوبِهِمْ إِذْ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَن نَّدْعُوا مِنْ دُونِهِ إِلَهًا لَقَدْ قُلْنَا إِذًا شَطَا"[1]

ہم نے ان کے دل اس وقت مضبوط کر دیے جب وہ اٹھے اور انھوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمارا رب بس وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے، ہم اسے چھوڑ کر کسی دوسرے معبود کو نہ پکاریں گے۔ اگر ہم ایسا کریں تو بالکل بے جا بات کریں گے۔

ان چند نوجوانوں نے اپنے زمانے میں جو کردار ادا کیا وہ تمام نوجوانوں کے لیے نمونہ عمل ہے۔ اسی طرح سے قرآن مجید نے حضرت موسیٰؑ پر ایمان لانے والے چند نوجوانوں کا تذکرہ کیا۔ حضرت موسیٰؑ کو قوم نے ہر طرح سے جھٹلایا لیکن وہ چند نوجوان ہی تھے جنھوں نے کٹھن حالات میں حضرت موسی کی نبوت پر ایمان کا اعلان کیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَمَا أَمَرَ لِمُوسَى إِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِنْ قَوْمِهِ عَلَى خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهِمْ أَن يَفْتِنَهُمْ وَ إِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ "[2]

موسیٰؑ کو اسی قوم میں سے چند نوجوانوں کے سوا کسی نے نہ مانا، فرعون کے ڈر سے اور خود اپنی قوم کے سربراہ لوگوں کے ڈر سے کہ فرعون ان کو عذاب میں مبتلا کرے گا۔ مذکورہ بالا آیت میں "ذریہ"[3] کا لفظ استعمال ہوا ہے جو بہت ہی جامع اور معنی خیز ہے۔ سید مودودی نے "ذریہ" کی تشریح پر مغز انداز میں اس طرح کی ہے: متن میں لفظ "ذریہ" استعمال ہوا ہے جس کے معنی اولاد کے ہیں۔ ہم نے اس کا ترجمہ نوجوان سے کیا ہے۔ دراصل اس خاص لفظ کے استعمال سے جو بات قرآن مجید بیان کرنا چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ اس پر ہر زمانے میں حق کا ساتھ دینے اور علم بردار حق کو اپنار ہنما تسلیم کرنے کی جراءت چند لڑکوں اور لڑکیوں نے تو کی مگر ماؤں اور باپوں اور قوم کے سن رسیدہ لوگوں کو اس کی توفیق نصیب نہ ہوئی۔ ان پر مصلحت پرستی اور دنیوی اغراض کی بندگی اور عافیت کوکچھ اس طرح چھائی رہی کہ وہ ایسے حق کا ساتھ دینے پر آمادہ نہ ہوئے جس کا راستہ ان کو خطرات سے پر نظر آرہا تھا۔

---

[1] القرآن، الکھف،14

[2] القرآن، یونس،83

[3] ابوالاعلیٰ مودودی، ترجمۂ قرآن (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، سن اشاعت) ص،565–567

سیرت النبی میں بھی نوجوانوں کے کردار اور ان کے لیے رہنما اصول کثرت سے ملتے ہیں۔ نوجوانی کی عمر انسان کی زندگی کا قوی ترین دور ہوتا ہے۔ اس عمر میں نوجوان جو چاہے کر سکتا ہے۔ انسان اس عمر کو اگر صحیح طور سے کام کرنے کی کوشش کرے تو ہر قسم کی کامیابی اس کے قدم چومے گی اور اگر اس عمر میں وہ کوتاہی اور لاپروائی کرے گا تو عمر بھر اس کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ جوانی کی عمر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر فرد کے لیے ایک بڑی نعمت ہے۔ اسی لیے اس کے بارے میں قیامت کے دن خصوصی طور سے پوچھا جائے گا۔ **حضرت ابن مسعودؓ** سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے فرمایا: قیامت کے دن انسان کے قدم اپنی جگہ سے ہٹ نہ سکیں گے یہاں تک کہ اس سے پانچ باتوں کے بارے میں سوال نہ کر لیا جائے۔

- عمر کن کاموں میں گنوائی
- جوانی کی توانائی کہاں صرف کی
- مال کہاں سے کمایا
- کہاں خرچ کیا
- جو علم حاصل کیا اس پر کہاں تک عمل کیا[4]

اس حدیث مبارکہ میں چار سوال جوانی سے متعلق ہیں۔ ایک عمر کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ اس میں جوانی کا دور بھی شامل ہے۔ مال کمانے کا تعلق بھی اسی عمر سے شروع ہوتا ہے۔ حصول علم کا تعلق بھی اسی عمر سے ہے۔ نوجوانی کی عمر صلاحیتوں کو پیدا کرنے اور اس میں نکھار پیدا کرنے کی ہوتی ہے۔ اسی عمر میں نوجوان علوم کے مختلف منازل طے کرتا ہے۔ یہی وہ عمر ہے جس میں نوجوان علمی تشنگی کو اچھی طرح سے بجھا سکتا ہے۔ اسی دور کے متعلق علامہ اقبال نے بے شباب جس کا ہو بے داغ ضرب ہے کاری فرمایا ہے۔ سیرت نبوی پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نے نوجوانوں پر بڑا اعتماد فرمایا۔ حضرت **علی بن ابی طالبؓ** تقریباً دس برس کی عمر میں اسلام قبول کرنے والوں میں شامل تھے، انہوں نے ہجرت کی رات اپنی جان کی پرواکیے بغیر رسول اللہؐ کے بستر پر سو کر وفاداری اور ایثار کی عظیم مثال قائم کی۔ اسی طرح حضرت **مصعب بن عمیرؓ** نوجوانی ہی میں اسلام قبول کر چکے تھے۔ رسول اللہؐ نے انہیں مدینہ منورہ کا پہلا داعی اور معلم بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اپنی حکمت اخلاق اور حسن دعوت کے ذریعے مدینہ کے بڑے بڑے قبائل کو اسلام سے روشناس کرایا، جس کے نتیجے میں ہجرت سے پہلے ہی مدینہ اسلامی معاشرہ بننے لگا۔ رسول اللہؐ نے حضرت **اسامہ بن زیدؓ** کو تقریباً اٹھارہ سال کی عمر میں ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا جس میں حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور دیگر جلیل القدر صحابہ موجود تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں قیادت کا معیار عمر نہیں بلکہ صلاحیت تقویٰ اور اہلیت ہے۔ حضرت **عبد اللہ بن عباسؓ** نوجوانی ہی میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ آپؐ نے ان کے لیے دعا فرمائی: اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا فرما اور قرآن کی صحیح تفسیر سکھا۔ یہ دعا بعد میں اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت ابن عباسؓ امت کے عظیم مفسر اور فقیہ بن گئے۔ عمر کے اسی مرحلے میں نوجوان صحابہؓ نے اور بھی بڑے کارنامے انجام دیے۔ اسی عمر میں جس میں حضرت **خالد بن ولید** نے بارگاہ نبوت سے سیف اللہ کا لقب حاصل کیا۔ میں حضرت **عمار بن یاسر، ابن عمر، ابن زبیر اور عمرو ابن العاص** نے اللہ کے رسول سے شانہ بشانہ عہد و پیمان باندھا۔ اسی عمر میں

---

[4] الترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی، باب صفة القيامة (بیروت: دار الغرب الإسلامي، 1998ء) ح2417

ابن تیمیہ، **شاہ ولی اللہ** محدث دہلوی اور **امام غزالی** جیسے مجدد علوم کی گہرائیوں میں اترے، اسی دور شباب میں **صلاح الدین ایوبی**، **طارق بن زیاد** اور **محمد بن قاسم** نے اسلامی تاریخ کو اپنے کارناموں سے منور کیا۔ اسی عمر میں **حسن البنا شہید** نے مصر کی سرزمین کو جہاں فرعون کے انمٹ نقوش ابھی بھی بہر تلاطم کی طرح باقی ہیں دعوت الی اللہ کے لیے مسکن بنایا۔ **مولانا ابوالکلام** آزاد نے صحافت کا میدان نوجوانی ہی میں اختیار کیا اور سید **مودودی** نے 23 سال کی عمر میں ہی "الجہاد فی الاسلام" جیسی معرکہ آرا کتاب لکھ کر تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جن کا اس وقت نہ صرف غیر مسلم بلکہ مسلمان بھی شکار تھے۔ اللہ کے رسول نے اسی عمر کو غنیمت سمجھنے کی تلقین کی ہے۔ کیونکہ بڑے بڑے معرکے اور کارنامے اسی عمر میں انجام دیے جاسکتے ہیں۔ **حضرت عمر بن میمون** سے روایت ہے انھوں نے کہا کہ اللہ کے رسول نے ایک شخص کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے پہلے غنیمت جانو:

- جوانی کو بڑھاپے سے پہلے
- صحت کو بیماری سے پہلے
- خوش حالی کو ناداری سے پہلے
- فراغت کو مشغولیت سے پہلے
- زندگی کو موت سے پہلے[5]

ان تمام مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ سیرت نبوی میں نوجوان صرف مستقبل کے افراد نہیں بلکہ حال کے ذمہ دار کارکن تھے۔ رسول اللہؐ نے ان کی صلاحیتوں کو پہچانا، ان کی تربیت فرمائی، ان پر اعتماد کیا اور انہیں عملی ذمہ داریاں سونپیں۔ یہی تربیتی منہج آج کے دور میں بھی نوجوانوں کی اصلاح اور معاشرے کی تعمیر کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ **عصر حاضر** میں نوجوان مختلف فکری، اخلاقی اور سماجی چیلنجوں کا شکار ہیں۔ اگر انہیں قرآن، سنت اور سیرت نبوی کی تعلیمات کے مطابق تربیت دی جائے ان پر اعتماد کیا جائے اور ان کی صلاحیتوں کو مثبت سمت دی جائے تو وہ نہ صرف اپنی ذات بلکہ پوری امت کی اصلاح اور ترقی میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔

نوجوانوں کو درپیش مسائل:

ذیل میں ہم ان چند اہم مسائل کا تذکرہ کریں گے:

زندگی کا اصل مقصد

ڈاکٹر ابراہیم ناجی نے ایک واقعے کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ میں نے ناروے کے ایک ہوٹل میں کرس نام کے ایک شخص سے پوچھا کہ آپ کی زندگی کا مقصد کیا ہے، انھوں نے حیران ہو کر جواب دیا کہ مجھ سے آج تک کسی نے بھی اس طرح کا سوال نہیں کیا اور اس کے بعد اپنی بات کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے کہا کہ میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہے اور زندگی کا کوئی مقصد بھی ہوتا ہے کیا؟[6]

عصر جدید میں جب نوجوانوں سے پوچھا جاتا ہے کہ زندگی کا مقصد کیا ہے تو ان کا بھی جواب کرس کی طرح ہی ہوتا ہے۔ مقصد زندگی کے تعلق سے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں Eat, Drink and be Happy یعنی خوب عیش کرلے کیونکہ عالم دوبارہ نہیں ہے، جیسے فرسودہ اور پر

---

[5] الترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی، باب صفۃ القیامۃ (بیروت: دار الغرب الإسلامي، 1998ء) ح 1229

[6] ڈاکٹر ابراہیم ناجی، *Have You Discovered Its Real Beauty* (ریاض: دار السلام، سن اشاعت) ص 129

فریب نعروں پر نہ صرف یقین کرتے ہیں بلکہ ان پر عمل پیرا بھی ہوتے ہیں۔ اسلام کا مقصد زندگی کے حوالے سے واضح موقف ہے۔ زندگی کی غرض وغایت کے متعلق قرآن وحدیث میں جگہ جگہ تذکرہ ملتا ہے۔ قرآن میں ایک جگہ انسان کو یہ ہدایت دی گئی:

" إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً"[7]

میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔

انسان کی زندگی کا سب سے بنیادی سوال یہ ہے کہ وہ اس دنیا میں کیوں آیا ہے اور اس کی زندگی کا حقیقی مقصد کیا ہے، جب انسان اپنے مقصد حیات سے غافل ہو جاتا ہے تو اس کی زندگی خواہشات، مادہ پرستی اور نفسانی میلانات کا شکار ہو جاتی ہے۔ عصر حاضر میں نوجوانوں کا ایک بڑا مسئلہ یہی ہے کہ ان کی اکثریت تعلیم، ملازمت، دولت، شہرت اور مادی کامیابی کو ہی زندگی کا آخری مقصد سمجھنے لگی ہے جبکہ اسلام کے نزدیک یہ سب ذرائع ہیں مقاصد نہیں۔ قرآن وسنت انسان کو یہ شعور عطا کرتے ہیں کہ اس کی اصل کامیابی اللہ تعالیٰ کی بندگی، اطاعت، اخلاق حسنہ اور آخرت کی کامیابی میں مضمر ہے۔ قرآن مجید نے انسان کی تخلیق کا مقصد نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا:

"وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ"[8]

میں نے جن اور انسانوں کو اس کے سوا کسی کام کے لیے پیدا نہیں کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کے احکام کی پیروی کے گرد گھومنی چاہیے۔ عبادت کا مفہوم صرف نماز، روزہ یا دیگر رسمی عبادات تک محدود نہیں، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھنا بھی عبادت ہے۔ ایک مسلمان نوجوان جب علم حاصل کرتا ہے، رزق حلال کماتا ہے، والدین کی خدمت کرتا ہے، معاشرے کی اصلاح میں حصہ لیتا ہے اور اپنے اخلاق کو سنوارتا ہے تو یہ سب عبادت کے دائرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ ایک جگہ حسن عمل کو مقصد زندگی قرار دیا ہے:

"خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلاً"[9]

جس نے موت اور زندگی کو ایجاد کیا تاکہ تم لوگوں کو آزما کر دیکھے تم میں سے کون بہتر عمل کرنے والا ہے۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ زندگی ایک امتحان ہے اور اس امتحان میں کامیابی کا معیار مال، شہرت یا دنیاوی منصب نہیں بلکہ حسن عمل ہے۔ یہی تصور نوجوان کو ذمہ دار، دیانت دار اور باکردار بناتا ہے۔ **رسول اللہؐ** نے بھی نوجوانوں کو بار بار آخرت کی فکر اور مقصد حیات کا شعور دلایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل[10]"

دنیا میں اس طرح رہو گویا تم ایک اجنبی یا مسافر ہو۔

یہ حدیث نوجوان کو یہ سبق دیتی ہے کہ دنیا عارضی قیام گاہ ہے، اصل منزل آخرت ہے۔ اس لیے انسان کو اپنی زندگی کے ہر فیصلے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کو مقدم رکھنا چاہیے۔ اسی طرح حضرت شداد بن اوسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

---

[7] القرآن، البقرہ، 30

[8] القرآن، الذاریات، 6

[9] القرآن، الملک، 2

[10] بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، *الجامع الصحیح*، کتاب الرقاق (بیروت: دار ابن کثیر 2002) ج8، ص110، ح6416

"الكَيِّسُ مَن دانَ نفسَه، وعمِلَ لما بعدَ الموتِ[11]"

عقلمند وہ ہے جو اپنے نفس کا محاسبہ کرے اور موت کے بعد کی زندگی کے لیے عمل کرے۔

یہ حدیث نوجوان کو خود احتسابی، ذمہ داری اور آخرت کی تیاری کا درس دیتی ہے۔

سیرت نبوی سے عملی رہنمائی، رسول اللہؐ نے نوجوانوں کی فکری تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ اس سلسلے میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا واقعہ نہایت اہم ہے۔ ایک مرتبہ وہ رسول اللہؐ کے ساتھ سوار تھے تو آپؐ نے فرمایا:

"اے نوجوان! میں تمہیں چند اہم باتیں سکھاتا ہوں: اللہ کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ جب مانگو تو اللہ ہی سے مانگو اور جب مدد طلب کرو تو اللہ ہی سے مدد طلب کرو[12]"

یہ حدیث دراصل نوجوانوں کے لیے مکمل تربیتی منشور ہے۔ اس میں توحید، اللہ پر توکل، خود اعتمادی، مقصد حیات اور کردار سازی کے بنیادی اصول موجود ہیں۔ رسول اللہؐ نے ایک کم عمر نوجوان کو زندگی کا ایسا جامع سبق دیا جو قیامت تک آنے والے نوجوانوں کے لیے رہنمائی کا سرچشمہ ہے۔

اسی طرح حضرت مصعب بن عمیرؓ کی زندگی نوجوانوں کے لیے ایک عظیم نمونہ ہے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے وہ مکہ کے نہایت خوشحال اور آسودہ حال نوجوان تھے، مگر اسلام لانے کے بعد انہوں نے دنیاوی آسائشوں کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی رضا کو اپنا مقصد بنا لیا۔ بعد ازاں رسول اللہؐ نے انہیں مدینہ منورہ کا پہلا معلم اور داعی مقرر فرمایا۔ انہوں نے اپنی دعوت، اخلاص اور حسن اخلاق کے ذریعے مدینہ میں اسلام کی مضبوط بنیادیں قائم کیں۔ یہ واقعہ اس حقیقت کو نمایاں کرتا ہے کہ جب نوجوان اپنی زندگی کا مقصد اللہ کی رضا کو بنالیتا ہے تو وہ معاشرے میں عظیم تبدیلی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

آج کا نوجوان تعلیمی ڈگری، اعلیٰ ملازمت، دولت اور شہرت کو اپنی زندگی کی کامیابی سمجھتا ہے۔ سوشل میڈیا صارفیت Consumerism اور مادی ترقی کی دوڑ نے نوجوانوں کی اکثریت کو مقصد حیات سے غافل کر دیا ہے۔ نتیجتاً ذہنی دباؤ، بے چینی مایوسی، خود غرضی اور روحانی خلا جیسے مسائل بڑھتے جا رہے ہیں۔ اسلام اس صورت حال کا علاج یہ بتاتا ہے کہ نوجوان اپنی زندگی کو اللہ تعالیٰ کی بندگی، خدمت خلق، علم نافع، حسن اخلاق اور آخرت کی تیاری کے ساتھ وابستہ کریں۔ جب انسان کا مقصد واضح ہو جاتا ہے تو اس کی زندگی میں نظم، اطمینان اور مثبت سمت پیدا ہو جاتی ہے۔ سیرت نبوی کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ رسول اللہؐ نے نوجوانوں کو سب سے پہلے ان کی زندگی کا مقصد سمجھایا، پھر ان کی علمی اخلاقی اور عملی تربیت کی۔ آپؐ نے انہیں یہ احساس دلایا کہ وہ محض اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ دین اسلام، انسانیت کی خدمت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے پیدا کیے گئے ہیں۔ یہی شعور آج کے نوجوانوں میں پیدا کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے، کیونکہ مقصد حیات سے وابستہ نوجوان ہی ایک صالح فرد، مضبوط خاندان اور مثالی معاشرے کی تشکیل میں مؤثر کردار ادا کر سکتا ہے۔

وحی الٰہی اور نوجوان

عصر حاضر میں نوجوان نسل کا سب سے بڑا فکری بحران یہ ہے کہ ان کا تعلق وحی الٰہی خصوصاً قرآن مجید سے کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ اگرچہ بہت سے نوجوان قرآن کی تلاوت کرتے ہیں، لیکن ان کی اکثریت قرآن کو محض ثواب حاصل کرنے یا مذہبی رسوم کی ادائیگی تک محدود

---

[11] ترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع (بیروت: دار الغرب الإسلامي، 1998ء) ج4، ص638، ح2459

[12] ترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق والورع (بیروت: دار الغرب الإسلامي، 1998ء) ج4، ص638، ح2516

سمجھتی ہے۔ وہ قرآن کو ایک ایسی کتاب کے طور پر نہیں پڑھتے جو انسان کی فکری، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی اور تمدنی زندگی کے لیے مکمل رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید دور کے بے شمار فکری اور اخلاقی مسائل کا شکار نوجوان اپنی زندگی کے اہم فیصلوں میں الٰہی ہدایت سے استفادہ نہیں کر پاتے۔ قرآن مجید درحقیقت انسان کی ہدایت، کردار سازی اور تہذیبی تعمیر کی کتاب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بنیادی غرض ہی ہدایت قرار دی ہے:

"ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ[13]"

یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں، پرہیزگاروں کے لیے سراسر ہدایت ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

"إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ[14]"

بے شک یہ قرآن اس راستے کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے زیادہ سیدھا ہے۔

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ قرآن صرف مذہبی عبادات کی کتاب نہیں بلکہ ایک ایسا جامع دستورِ حیات ہے جو انسان کو عقیدہ، اخلاق معیشت، معاشرت، سیاست اور تمدن کے ہر شعبے میں متوازن رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ جب نوجوان اس سرچشمۂ ہدایت سے دور ہو جاتے ہیں تو ان کی زندگی میں فکری انتشار، اخلاقی کمزوری، مقصدیت کا فقدان اور روحانی خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ **سیرت نبوی** کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کی تربیت کا آغاز ہی وحی الٰہی سے کیا۔ مکہ مکرمہ میں دار ارقم کی مجلسیں دراصل نوجوانوں کی فکری اور روحانی تربیت کا مرکز تھیں۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ اور دیگر نوجوان صحابہؓ قرآن مجید کی تعلیم حاصل کرتے، اس کے معانی سمجھتے اور اپنی عملی زندگی میں نافذ کرتے تھے۔ یہی تربیت بعد میں انہیں اسلام کے عظیم داعی، سپہ سالار، معلم اور قائد بننے کے قابل بنا گئی۔ رسول اللہ ﷺ نوجوانوں کو صرف قرآن پڑھنے کی تلقین نہیں فرماتے تھے بلکہ اس کے مطابق زندگی گزارنے کی تعلیم بھی دیتے تھے۔ حضرت عثمان بن عفانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ[15]"

تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے تعلق صرف ذاتی اصلاح تک محدود نہیں بلکہ اس کا تقاضا یہ بھی ہے کہ نوجوان خود علم حاصل کریں اور معاشرے میں خیر اور ہدایت کا ذریعہ بنیں۔ اسی طرح حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اقْرَءُوا الْقُرْآنَ، فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ[16]"

قرآن پڑھا کرو کیونکہ قیامت کے دن وہ اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارش کرے گا۔

یہ حدیث نوجوانوں کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ قرآن سے مضبوط تعلق صرف دنیا ہی نہیں بلکہ آخرت کی کامیابی کا بھی ذریعہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تربیت کا ایک نمایاں پہلو یہ تھا کہ آپ نوجوانوں میں قرآن کے ذریعے اللہ پر اعتماد، توکل اور کردار کی مضبوطی پیدا کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی زندگی بھی نوجوانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ وہ کم عمری میں اسلام قبول کر کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت

---

[13] القرآن، البقرہ:2

[14] القرآن، الإسراء:9

[15] بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، *الجامع الصحیح*، کتاب الرقاق (بیروت: دار ابن کثیر 2002) ج8، ص110، ح5027

[16] ایضا، ج8، ص110، ح804

میں حاضر رہتے، قرآن سیکھتے اور اسے یاد کرتے رہے۔ بعد میں وہ امت کے عظیم قاری، مفسر اور فقیہ بنے۔ ان کے بارے میں رسول اللہؐ نے فرمایا:

"جو شخص قرآن اسی طرح پڑھنا چاہے جیسے نازل ہوا ہے، وہ عبداللہ بن مسعود کی قراءت کے مطابق پڑھے[17]"

اسی طرح حضرت زید بن ثابتؓ نوجوانی ہی میں وحی لکھنے والوں میں شامل ہوئے۔ رسول اللہؐ نے ان کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے انہیں عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تاکہ یہود کے خطوط کا جواب دیا جاسکے۔ زیدؓ نے صرف چند دنوں میں زبان سیکھ لی اور بعد میں کتابت وحی، جمع قرآن اور علمی خدمات میں نمایاں کردار ادا کیا۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ **سیرت نبویؐ** میں جدید علوم اور زبانوں کے حصول کی بھی حوصلہ افزائی کی گئی، بشرطیکہ ان کی بنیاد وحی الٰہی سے وابستگی پر ہو۔

آج کا نوجوان انٹرنیٹ، سوشل میڈیا، مصنوعی ذہانت، ڈیجیٹل تفریح اور عالمی ثقافتی یلغار کے دور میں زندگی گزار رہا ہے۔ **معلومات** کی فراوانی کے باوجود حکمت، بصیرت اور صحیح و غلط میں امتیاز کی صلاحیت کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ **معلومات** کا سرچشمہ تو موجود ہے لیکن ہدایت کا سرچشمہ یعنی قرآن مجید زندگی کا مرکز نہیں رہا۔ قرآن نوجوان کو تنقیدی فکر، اخلاقی بصیرت، اعتدال، ذمہ داری، صبر عدل، حیا اور خدمت انسانیت کا شعور عطا کرتا ہے۔ جب یہی اصول زندگی کی بنیاد بن جائیں تو جدید دور کے بیشتر فکری اور اخلاقی مسائل خود بخود حل ہونے لگتے ہیں۔

کیریئرازم اور نوجوان

عصر حاضر میں تعلیم کا مقصد صرف اور صرف پیشہ profession مقام placement اور پیسہ و سرمایہ بٹورنا رہ گیا ہے۔ ہر نوجوان انہی تین چیزوں کے پیچھے بھاگتا ہے۔ آج سائنس ٹکنالوجی اور دوسری طرف علمی انفجار کا دور مسابقت اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی دھن نے ایسا ماحول قائم کر رکھا ہے کہ ہر نوجوان دائیں بائیں اور پیچھے کی طرف دیکھنے کی زحمت تک گوارا نہیں کرتا اور ہر ایک کیریئر کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے دن رات ایک کر دیتا ہے، جبکہ اخلاقی اقدار، روحانی تربیت، خاندانی ذمہ داریوں، معاشرتی خدمت اور دینی شعور کو ثانوی حیثیت دے دیتے ہیں۔ اس طرز فکر نے کامیاب پیشہ ور افراد تو پیدا کیے ہیں، مگر متوازن، ذمہ دار اور باکردار انسان کم پیدا کیے ہیں۔ اسلام محنت کسب حلال علم کے حصول اور پیشہ ورانہ مہارت کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، لیکن وہ کیریئر کو زندگی کا مقصد نہیں بلکہ ایک ذریعہ قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید دنیا اور آخرت کے درمیان توازن قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللَّهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا[18]"

اور اللہ نے جو کچھ تمہیں عطا کیا ہے اس کے ذریعے آخرت کا گھر حاصل کرنے کی کوشش کرو، اور دنیا میں اپنا حصہ بھی نہ بھولو۔

یہ آیت نوجوانوں کو اعتدال کا درس دیتی ہے کہ دنیاوی تعلیم، ملازمت اور معاشی ترقی مطلوب ہیں، لیکن ان کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کی کامیابی ہونا چاہیے۔ اسی طرح قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے:

---

17 مسند احمد، احمد بن حنبل (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء) ج6، ح4628

18 القرآن، القصص: 77

"فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلَاةُ فَانتَشِرُوا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ[19]"

پھر جب نماز ادا ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عبادت اور معاشی سرگرمیوں کے درمیان متوازن زندگی کا تصور پیش کرتا ہے۔ نہ دنیا کو مکمل طور پر ترک کرنے کی اجازت ہے اور نہ ہی دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی۔ **سیرت نبوی** اس توازن کی بہترین عملی مثال پیش کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے نبوت سے قبل تجارت کی، دیانت، امانت اور حسن معاملہ کی وجہ سے "الصادق" اور "الامین" کے لقب سے مشہور ہوئے۔ نبوت کے بعد بھی آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو محنت، تجارت، زراعت اور مختلف پیشوں کی ترغیب دی، لیکن ہمیشہ اس بات پر زور دیا کہ رزق حلال، تقویٰ اور خدمت خلق کو ہر پیشہ ورانہ سرگرمی کی بنیاد بنایا جائے۔ حضرت مقدام بن معد یکربؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ خَيْرًا مِنْ أَنْ يَأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهِ[20]"

کسی انسان نے اس کھانے سے بہتر کھانا نہیں کھایا جو اس نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے حاصل کیا ہو۔

یہ حدیث نوجوانوں کو عزت نفس، محنت اور حلال روزی کی اہمیت سمجھاتی ہے۔ اسلام میں کامیابی کا معیار صرف زیادہ دولت کمانا نہیں بلکہ دیانت داری اور حلال ذرائع سے رزق حاصل کرنا ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّ اللَّهَ طَيِّبٌ لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا[21]"

بے شک اللہ پاک ہے اور صرف پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے۔

یہ حدیث نوجوانوں کو اس حقیقت سے آگاہ کرتی ہے کہ کیریئر کی کامیابی اس وقت حقیقی کامیابی بنے گی جب اس کی بنیاد حلال کمائی دیانت اور اخلاقی اصولوں پر ہو۔ **سیرت نبوی** میں حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کی زندگی اس حوالے سے بہترین نمونہ ہے۔ مدینہ ہجرت کے بعد جب انصار نے ان کے ساتھ مال و دولت تقسیم کرنے کی پیش کش کی تو انہوں نے فرمایا: مجھے صرف بازار کا راستہ بتا دیجیے، انہوں نے محنت، دیانت اور اللہ پر توکل کے ذریعے تجارت شروع کی اور قلیل مدت میں کامیاب تاجر بن گئے۔ تاہم ان کی دولت کا بڑا حصہ اللہ کی راہ میں خرچ ہوتا تھا۔ انہوں نے غزوات فقراء، مساکین اور اسلامی معاشرے کی فلاح کے لیے بے مثال مالی خدمات انجام دیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام دولت کے حصول کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ اس کے صحیح مصرف اور ذمہ دارانہ استعمال کی تعلیم دیتا ہے۔ اسی طرح حضرت عثمان بن عفانؓ کامیاب تاجر تھے، لیکن ان کی تجارت کا مقصد صرف ذاتی دولت میں اضافہ نہیں تھا بلکہ خدمت دین اور خدمتِ انسانیت تھا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر انہوں نے سینکڑوں اونٹ، گھوڑے اور بے شمار مال اللہ کی راہ میں پیش کیا، جس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْيَوْمِ[22]" آج کے بعد عثمان جو بھی عمل کریں، انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے کہ ایک مسلمان نوجوان کی معاشی کامیابی کا اصل مقصد اللہ کی رضا، خدمت خلق اور دین کی سربلندی ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے نوجوانوں کو صرف پیشہ ورانہ مہارت ہی نہیں بلکہ معاشرتی ذمہ داری کا بھی احساس دلایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"خَيْرُ النَّاسِ أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ[23]"

---

19 القرآن، الجمعۃ: 10

20 بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع (بیروت: دار ابن کثیر 2002) ج 6، ح 2072

21 مسلم، مسلم بن حجاج (بیروت: دار احیاء التراث العربی 1991) ج 4، ح 1015

22 ترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی (بیروت: دار الغرب الإسلامي، 1998ء) ج 3، ح 3701

23 طبرانی، سلیمان بن احمد، المعجم الأوسط (قاہرہ: دار الحرمین 1995) ج 5، ص 58، ح 5787

لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو سب سے زیادہ فائدہ پہنچائے۔

یہ حدیث کیریئر کے اسلامی تصور کو واضح کرتی ہے۔ ایک ڈاکٹر، انجینئر، استاد، وکیل، سائنس دان یا تاجر اس وقت کامیاب ہے جب وہ اپنی صلاحیتوں کے ذریعے معاشرے کو فائدہ پہنچائے۔

آج کیریئر ازم کی وجہ سے نوجوان شدید نفسیاتی دباؤ، مقابلہ بازی، حسد، مادہ پرستی اور خود غرضی کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔ اعلیٰ تنخواہ اور سماجی حیثیت کے حصول کی دوڑ میں بعض اوقات دینی فرائض، والدین کے حقوق، خاندانی تعلقات، سماجی خدمت اور روحانی زندگی متاثر ہو جاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں بظاہر کامیابی کے باوجود بے سکونی، اضطراب اور احساس محرومی بڑھنے لگتا ہے۔

عصری مسائل اور نوجوان

آج امت کا نوجوان بے شمار مسائل اور الجھنوں میں گھرا ہوا ہے۔ ایک طرف غیر متوازن نظام تعلیم کے مسائل کا سامنا کر رہا ہے تو دوسری طرف اقتصادی مسائل سے دوچار ہے۔ ایک طرف اگر وقت پر نکاح نہ ہونے کے مسائل ہیں تو دوسری طرف بے روزگاری کے مسائل نے پریشانیوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اسی طرح ناقص تعلیم وتربیت، حیاسوز مغربی فکر وتہذیب کے پیدا کردہ مسائل علاوہ ازیں نت نئے افکار کے پیدا کردہ مسائل اور الجھنوں کا انبار لگا ہوا ہے جن سے امت کا یہ اہم طبقہ دوچار ہے۔ یہ واضح رہے کہ نوجوان طبقہ مسائل کا سامنا کرنے سے کتراتا بھی ہے۔ کیونکہ ان کو اس سلسلے میں مطلوبہ رہنمائی نہیں مل رہی ہے تاکہ وہ ان مسائل سے باآسانی نبرد آزما ہو سکے۔ اس سلسلے میں ماں باپ، علما اور دانش وروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مربیانہ کردار ادا کریں تاکہ نوجوان طبقہ مستقبل میں ملت اور سماج کی تعمیر اور اصلاح کے لیے مؤثر کردار ادا کر سکے۔ اس حوالے سے اللہ کے رسول کا وہ تربیتی منہج سامنے رکھنا چاہیے جس کی بدولت انھوں نے نوجوانوں کی ایک بہترین ٹیم تیار کی تھی۔ جس نے بعد میں بڑے بڑے معرکہ سرانجام دیے۔ اللہ کے رسول نوجوانوں کی ان کے رجحان اور طبیعت کو مدنظر رکھتے ہوئے تربیت کر کے ذمہ داریاں سونپتے تھے۔

سیرت نبوی میں بھی اللہ کے رسول کا تربیتی منہج بڑا شاندار اور منفرد انداز کا ہے۔ آپ ان کی کردار سازی پر بہت توجہ فرماتے تھے۔ اور نہ صرف ان کے خارجی مسائل حل کرتے تھے بلکہ ان کے نفسیاتی مسائل بھی حل کرتے تھے۔ ایک دن قریش کا ایک نوجوان رسول اللہ کی خدمت میں آیا اور بلاخوف وتردد عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے۔ صحابہ کرام اس نوجوان کی بے ہودہ جسارت پر برہم ہو گئے اور اس کو سخت سے سخت سزا دینا چاہی مگر رسول نے بالکل منفرد انداز اختیار کیا۔ ابو امامہؓ سے روایت ہے کہ آپ نے اس نوجوان کو قریب بلایا اور فرمایا:

"عَنْ أَبِي أُمَامَةَ رضي الله عنه قَالَ: إِنَّ فَتًى شَابًّا أَتَى النَّبِيَّ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، ائْذَنْ لِي بِالزِّنَا. فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ فَزَجَرُوهُ... فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ :أَتُحِبُّهُ لِأُمِّكَ، قَالَ: لَا وَاللَّهِ، جَعَلَنِي اللَّهُ فِدَاكَ... ثُمَّ وَضَعَ يَدَهُ عَلَيْهِ وَقَالَ:اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ. قَالَ: فَلَمْ يَكُنْ بَعْدُ ذَلِكَ الْفَتَى يَلْتَفِتُ إِلَى شَيْءٍ"[24]

کیا تم یہ بات اپنی ماں کے لیے پسند کرتے ہو، نوجوان نے کہا: میری جان آپ پر قربان ہو، یہ بات میں اپنی ماں کے لیے کبھی پسند نہیں کر سکتا۔ پھر آپ نے اس کی بہن، پھوپھی اور خالہ کے بارے میں اس طرح کے سوالات کیے۔ بعد میں اس سے پوچھتے، کیا تم اسے ان کے لیے

[24] مسند احمد، احمد بن حنبل (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء) ح 22211

پسند کرتے ہو۔ وہ ہر بار یہی کہتا: میری جان آپ پر قربان ہو، خدا کی قسم! یہ بات میں ہرگز پسند نہیں کر سکتا۔ پھر آپ نے اس نوجوان کو اپنے قریب بلایا اور اس کے لیے اللہ سے دعا کی جس کے بعد وہ کبھی بھی اس بے ہودہ کام کی طرف مائل نہیں ہوا۔ اس واقعے سے ہم کو بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ نوجوانوں کے نفسیاتی مسائل کو کس طرح پیار سے سمجھانے اور حل کرنے کی ضرورت ہے۔

اخلاق باختگی اور نوجوان

عصر حاضر میں نوجوان نسل کو جن سنگین معاشرتی اور اخلاقی چیلنجوں کا سامنا ہے، ان میں اخلاق باختگی سب سے نمایاں مسئلہ ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ، سوشل میڈیا، انٹرنیٹ، فلموں، ڈراموں، اشتہارات اور ڈیجیٹل تفریح نے نوجوانوں کی فکری اور اخلاقی تشکیل پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ فحاشی عریانیت بے حیائی غیر اخلاقی تعلقات نشہ آور اشیاء جھوٹ دھوکہ بدزبانی اور بے راہ روی جیسے رجحانات تیزی سے عام ہو رہے ہیں۔ ان حالات میں نوجوان نہ صرف اخلاقی اقدار سے دور ہوتے جا رہے ہیں بلکہ ذہنی اضطراب، خاندانی انتشار، احساس تنہائی اور روحانی خلا کا بھی شکار ہو رہے ہیں۔ اسلام اخلاق کو انسانی شخصیت کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہؐ کے اخلاق کو پوری امت کے لیے نمونہ قرار دیتے ہوئے فرمایا گیا:

"وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ[25]"

اور بے شک آپ اخلاق کے بلند ترین مرتبے پر فائز ہیں۔

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی معاشرے کی تعمیر اعلیٰ اخلاق کے بغیر ممکن نہیں۔ نوجوان جب رسول اللہؐ کے اخلاق کو اپنی زندگی کا معیار بناتے ہیں تو ان کی شخصیت میں دیانت، امانت، حیا، صبر، عفو و درگزر، عدل اور حسن سلوک جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں۔ قرآن مجید نے بے حیائی کے اسباب سے بچنے کی بھی واضح ہدایات دی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ[26]"

ایمان والے مردوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہی ان کے لیے زیادہ پاکیزہ ہے۔

اس کے بعد اگلی آیت میں مسلمان خواتین کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام صرف برائی سے منع نہیں کرتا بلکہ برائی تک پہنچانے والے اسباب کو بھی ختم کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ نگاہ کی حفاظت، حیا اور پاکدامنی اخلاقی زندگی کی بنیادی اقدار ہیں۔ رسول اللہؐ نے اخلاق کی اہمیت کو اپنی بعثت کا مقصد قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ[27]"

مجھے بہترین اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ اسلام کی دعوت صرف عقائد اور عبادات تک محدود نہیں بلکہ اخلاقی اصلاح بھی اس کا بنیادی مقصد ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"إِنَّ مِنْ خِيَارِكُمْ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا[28]"

---

25 القرآن، القلم:4

26 القرآن، النور:30

27 مسند احمد، احمد بن حنبل (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء) ج4 ح8952

28 بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری (بیروت: دار ابن کثیر 2002) ج6، ح3559

تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جن کے اخلاق سب سے بہتر ہیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں انسان کی فضیلت کا معیار حسن اخلاق ہے، نہ کہ مال، منصب یا شہرت۔ سیرت نبوی کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ؐ نے نوجوانوں کی اخلاقی تربیت نہایت حکمت، محبت اور نفسیاتی بصیرت کے ساتھ فرمائی۔ اس کی بہترین مثال وہ نوجوان ہے جو رسول اللہ ؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دے دیجیے۔ صحابہ کرامؓ اس کی بات سن کر ناراض ہوئے، لیکن رسول اللہ ؐ نے اسے اپنے قریب بلایا اور نہایت شفقت سے فرمایا: کیا تم یہ عمل اپنی ماں کے لیے پسند کرو گے، اس نے عرض کیا: ہرگز نہیں۔ پھر آپؐ نے اس سے اس کی بیٹی، بہن، پھوپھی اور خالہ کے بارے میں یہی سوالات کیے اور ہر مرتبہ اس نے نفی میں جواب دیا۔ اس کے بعد رسول اللہ ؐ نے اپنا دست مبارک اس کے سینے پر رکھا اور دعا فرمائی:

"اللَّهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهُ، وَطَهِّرْ قَلْبَهُ، وَحَصِّنْ فَرْجَهُ[29]"

اے اللہ! اس کے گناہ کو معاف فرما، اس کے دل کو پاک کر دے اور اس کی عصمت کی حفاظت فرما۔

حضرت ابو امامہؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد وہ نوجوان کبھی اس برائی کی طرف مائل نہیں ہوا۔ یہ واقعہ سیرت نبوی کے تربیتی منہج کا عظیم نمونہ ہے۔ رسول اللہ ؐ نے نوجوان کو ڈانٹنے، رسوا کرنے یا سزا دینے کے بجائے اس کی سوچ کو بدلنے کی کوشش کی، اس کے احساسات کو بیدار کیا، اس کی نفسیات کو سمجھا اور پھر اس کے لیے دعا فرمائی۔ یہ اسلوب آج بھی نوجوانوں کی اخلاقی اصلاح کے لیے نہایت مؤثر ہے۔ اسی طرح رسول اللہ ؐ نے حیا کو ایمان کا لازمی حصہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"الْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِيمَانِ[30]"

حیا ایمان کی ایک شاخ ہے۔

ایک اور حدیث میں فرمایا:

"إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ[31]"

جب تم میں حیا نہ رہے تو پھر جو چاہو کرتے پھرو۔

یہ حدیث اس حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ جب انسان کے اندر حیا ختم ہو جائے تو اس کے لیے ہر قسم کی اخلاقی برائی آسان ہو جاتی ہے۔ اس لیے اسلام نوجوانوں میں حیا کو اخلاقی زندگی کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ رسول اللہ ؐ نے نوجوانوں کی جنسی خواہشات کے جائز اور پاکیزہ حل کی بھی تعلیم دی۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا:

"يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ، مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ، فَإِنَّهُ أَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَأَحْصَنُ لِلْفَرْجِ، وَمَنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ[32]"

اے نوجوانو! تم میں سے جو نکاح کی استطاعت رکھتا ہو وہ نکاح کرے، کیونکہ یہ نگاہ کو زیادہ نیچا رکھنے والا اور شرم گاہ کی بہتر حفاظت کرنے والا ہے، اور جو استطاعت نہ رکھتا ہو وہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ اس کے لیے ڈھال ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام انسانی فطرت کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ اس کے پاکیزہ اور عملی حل پیش کرتا ہے۔

---

[29] مسند احمد، احمد بن حنبل (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، 2001ء) ج4 ح22211

[30] بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری (بیروت: دار ابن کثیر 2002) ج3، ح9

[31] ایضا، ج6، ح3483

[32] ایضا، ج6، ح5066

آج سوشل میڈیا، موبائل فون اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز نے نوجوانوں کی زندگی میں نئی آسانیاں پیدا کی ہیں، لیکن ان کے ذریعے بے حیائی، جھوٹی شہرت، غیر اخلاقی مواد، فحش تصاویر اور غیر ضروری اختلاط کے مواقع بھی بڑھ گئے ہیں۔ ایسے ماحول میں نوجوانوں کو صرف پابندیوں سے نہیں بلکہ ایمان، حیا، خود احتسابی، اللہ کے خوف اور **سیرت نبوی** کی عملی تعلیمات سے جوڑنے کی ضرورت ہے۔ رسول اللہؐ نے نوجوانوں کو ہمیشہ عزت اعتماد اور محبت دی۔ آپ ان کی غلطیوں کی اصلاح حکمت سے کرتے، ان کی عزت نفس کو مجروح نہیں کرتے تھے اور انہیں یہ احساس دلاتے تھے کہ وہ امت کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوان صحابہؓ نہ صرف اعلیٰ اخلاق کے مالک بنے بلکہ پوری انسانیت کے لیے کردار و عمل کا نمونہ بھی بن گئے۔ لہٰذا عصر حاضر میں اخلاقی زوال کے بڑھتے ہوئے رجحانات کا مؤثر علاج یہی ہے کہ نوجوانوں کو قرآن مجید، سیرت نبوی حسن اخلاق حیا پاکدامنی، خود احتسابی اور صالح صحبت سے جوڑا جائے۔ والدین، اساتذہ، علماء، تعلیمی ادارے اور ذرائع ابلاغ سب کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا اخلاقی ماحول پیدا کریں جس میں نوجوان اپنی صلاحیتوں کو پاکیزہ، مثبت اور تعمیری مقاصد کے لیے استعمال کر سکیں۔ یہی سیرت نبویؐ کا تربیتی منہج ہے اور یہی موجودہ اخلاقی بحران کا دیرپا حل ہے۔

اعتدال وتوازن کا فقدان

عصر حاضر میں نوجوان نسل کو درپیش فکری، اخلاقی اور سماجی مسائل میں ایک اہم مسئلہ اعتدال و توازن کا فقدان ہے۔ جدید زندگی کی تیز رفتاری، سوشل میڈیا، فکری انتشار، مذہبی انتہا پسندی، مادہ پرستی اور بے جا آزادی کے رجحانات نے نوجوانوں کو افراط و تفریط کی مختلف صورتوں میں مبتلا کر دیا ہے۔ بعض نوجوان دین میں غلو اور شدت پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں، جبکہ بعض مکمل بے عملی، لادینیت اور اخلاقی بے راہ روی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح تعلیم، عبادت، معاش، تفریح اور سماجی تعلقات میں بھی عدمِ توازن انفرادی اور اجتماعی مسائل کو جنم دیتا ہے۔ اسلام چونکہ دینِ فطرت ہے، اس لیے اس نے زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال اور میانہ روی کو بنیادی اصول قرار دیا ہے۔ قرآن مجید نے امت مسلمہ کی بنیادی خصوصیت ہی اعتدال کو قرار دیتے ہوئے فرمایا:

"وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَسَطه" [33]

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کا امتیاز توازن، عدل اور اعتدال ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ "امت وسط "سے مراد ایسی امت ہے جو ہر معاملے میں عدل، میانہ روی اور اعتدال اختیار کرتی ہے، نہ افراط کا شکار ہوتی ہے اور نہ تفریط کا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ کو بھی ہر معاملے میں عدل و توازن اختیار کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

" قُله اَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ "[34]

اے محمد! کہہ دیجیے کہ میرے رب نے اعتدال کی راہ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ آیت اس حقیقت کو نمایاں کرتی ہے کہ اسلام کی تعلیمات صرف عبادات تک محدود نہیں بلکہ فکر، اخلاق، معاملات، معیشت اور معاشرت سمیت زندگی کے تمام شعبوں میں توازن کا مطالبہ کرتی ہیں۔ **سیرت نبوی** اس اعتدال کی عملی تصویر پیش کرتی ہے۔ رسول اللہؐ نے ہمیشہ ایسی زندگی اختیار فرمائی جس میں عبادت، خاندانی زندگی معاشرتی ذمہ داریاں، معاشی سرگرمیاں اور جسمانی ضروریات کے درمیان مکمل توازن موجود تھا۔ آپ نہ رہبانیت کو پسند کرتے تھے اور نہ دنیا پرستی کو بلکہ ایک متوازن اور فطری طرزِ زندگی کی تعلیم دیتے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ تین صحابہؓ رسول اللہؐ کی عبادت کے بارے میں دریافت کرنے کے لیے آپ کی ازواج مطہرات کے پاس آئے۔ جب انہیں آپ کی عبادت کے معمولات بتائے گئے تو انہوں نے اپنی طرف سے

---

[33] القرآن، البقرہ، 143

[34] القرآن، اعراف، 29

زیادہ عبادت کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک نے کہا: میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھوں گا۔ دوسرے نے کہا: میں ہمیشہ روزے رکھوں گا اور کبھی افطار نہیں کروں گا۔ تیسرے نے کہا: میں عورتوں سے ہمیشہ دور رہوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ جب رسول اللہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپؐ نے فرمایا:

"أَمَا وَاللَّهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلَّهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي[35]"

اللہ کی قسم! میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں، نماز بھی پڑھتا ہوں اور آرام بھی کرتا ہوں، اور میں نے نکاح بھی کیا ہے۔ پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں۔

یہ حدیث نوجوانوں کے لیے اعتدال کا جامع منشور ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نہ جسمانی خواہشات کو مکمل طور پر ختم کرنے کا حکم دیتا ہے اور نہ انہیں بے لگام چھوڑنے کی اجازت دیتا ہے، بلکہ ہر معاملے میں توازن اختیار کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ عبادت میں بہت زیادہ مشغول رہتے تھے۔ وہ مسلسل روزے رکھتے اور رات بھر نماز پڑھتے تھے۔ رسول اللہؐ نے انہیں فرمایا:

"إِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقًّا[36]"

تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ اسلام عبادت کے ساتھ ساتھ جسمانی صحت، خاندانی زندگی اور معاشرتی ذمہ داریوں کو بھی اہمیت دیتا ہے۔ نوجوان اگر کسی ایک پہلو کو اختیار کر کے باقی ذمہ داریوں کو نظر انداز کرے تو وہ اعتدال کی اسلامی تعلیم سے دور ہو جاتا ہے۔ رسول اللہؐ نے دین میں غلو اور شدت پسندی سے بھی سختی سے منع فرمایا۔ عصر حاضر میں اعتدال کے فقدان کی ایک نمایاں صورت سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل ذرائع کا بے جا استعمال بھی ہے۔ بہت سے نوجوان اپنا قیمتی وقت غیر ضروری ویڈیوز، کھیلوں، فضول مباحث اور بے مقصد سرگرمیوں میں ضائع کر دیتے ہیں، جس کے نتیجے میں تعلیم، عبادت، صحت، خاندان اور معاشرتی تعلقات متاثر ہوتے ہیں۔ اسلام وقت کی قدر اور ہر نعمت کے ذمہ دارانہ استعمال کی تعلیم دیتا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ: الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ[37]"

دو نعمتیں ایسی ہیں جن کے بارے میں اکثر لوگ خسارے میں رہتے ہیں: صحت اور فراغت۔

یہ حدیث نوجوانوں کو وقت صحت اور صلاحیتوں کے متوازن استعمال کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ رسول اللہؐ نے ہر معاملے میں اعتدال، حکمت اور توازن کی تعلیم دی۔ آپ نے عبادت تعلیم، معاش، خاندان، تفریح، قیادت، دعوت اور جہاد ہر میدان میں ایسا عملی نمونہ پیش کیا جو انسان کی فطرت سے مکمل ہم آہنگ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تربیت یافتہ نوجوان صحابہؓ عبادت گزار بھی تھے، علم و حکمت کے حامل بھی، بہترین سپہ سالار بھی، کامیاب تاجر بھی اور مثالی خاندانوں کے سربراہ بھی۔ لہٰذا موجودہ دور میں نوجوانوں کی فکری اور عملی تربیت اس انداز میں کی جانی چاہیے کہ وہ دین اور دنیا، عبادت اور معاش، علم اور عمل، حقوق اللہ اور حقوق العباد، نیز انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں کے درمیان توازن قائم رکھ سکیں۔ والدین اساتذہ علماء اور تعلیمی اداروں کی ذمہ داری ہے کہ وہ نوجوانوں کو افراط و تفریط سے بچاتے ہوئے سیرت نبویؐ کے اس معتدل اور متوازن منہج سے روشناس کرائیں، کیونکہ یہی منہج ان کی شخصیت کو متوازن، ذمہ دار اور معاشرے کے لیے مفید بنا سکتا ہے۔

---

[35] بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، کتاب النکاح (بیروت: دار ابن کثیر 2002) ج7، ص2، ح5063

[36] ایضا، ج7، ص2، ح5199

[37] ایضا، ص73، ح6412

تعلیم وتربیت کا فقدان

عصر حاضر میں نوجوان نسل کو درپیش بنیادی مسائل میں تعلیم و تربیت کا فقدان نہایت اہم ہے۔ اگرچہ تعلیمی اداروں کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور جدید علوم تک رسائی پہلے سے کہیں زیادہ آسان ہو گئی ہے، لیکن اس کے باوجود نوجوانوں میں اخلاقی پختگی، کردار سازی، دینی شعور، احساس ذمہ داری اور معاشرتی آداب میں نمایاں کمزوری محسوس کی جاتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ موجودہ نظام تعلیم زیادہ تر معلومات (Information) کی فراہمی پر توجہ دیتا ہے، جبکہ تربیت (Character Building) کو وہ اہمیت نہیں دی جاتی جو ایک صالح معاشرے کی تشکیل کے لیے ضروری ہے۔ اسلام میں تعلیم اور تربیت ایک دوسرے سے جدا نہیں بلکہ ایک ہی عمل کے دو لازم و ملزوم پہلو ہیں۔ قرآن مجید میں رسول اللہؐ کی بعثت کے بنیادی مقاصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

"هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ[38]"

وہی ہے جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ اس آیت میں تعلیم سے پہلے تزکیہ کا ذکر اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اسلام میں علم کا اصل مقصد انسان کے کردار، اخلاق اور شخصیت کی اصلاح ہے۔ ایسا علم جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی معرفت، حسنِ اخلاق اور ذمہ داری کے احساس سے محروم رکھے اسلامی نقطۂ نظر سے نامکمل ہے۔ رسول اللہؐ کی پوری سیرت اس بات کی گواہ ہے کہ آپ نے نوجوانوں کی تعلیم کے ساتھ ان کی عملی تربیت کو بھی غیر معمولی اہمیت دی۔ آپ صرف احکام بیان نہیں فرماتے تھے بلکہ اپنی عملی زندگی سے ان کی تربیت کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی صحبت نے عام نوجوانوں کو تاریخ کے عظیم ترین انسانوں میں تبدیل کر دیا۔ حضرت انس بن مالکؓ اس تربیتی منہج کی بہترین مثال ہیں۔ وہ دس برس کی عمر میں رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور تقریباً دس سال تک آپ کی خدمت میں رہے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے دس سال رسول اللہؐ کی خدمت کی۔ آپ نے کبھی مجھے 'اف' تک نہیں کہا، نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا یا وہ کام کیوں نہیں کیا[39]۔ یہ حدیث نوجوانوں کی تربیت میں نرمی، شفقت، حوصلہ افزائی اور حسن اخلاق کی اہمیت کو نمایاں کرتی ہے۔ رسول اللہؐ نے سختی، تحقیر اور مسلسل ملامت کے بجائے محبت اور اعتماد کے ذریعے نوجوانوں کی شخصیت کو پروان چڑھایا۔ اسی طرح حضرت عبداللہ بن عباسؓ کم عمری ہی سے رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ آپ نے ان کے لیے دعا فرمائی:

"اللَّهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّينِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيلَ[40]"

اے اللہ! اسے دین کی گہری سمجھ عطا فرما اور اسے قرآن کی صحیح تفسیر سکھا۔

یہ دعا اس بات کی دلیل ہے کہ رسول اللہؐ نوجوانوں میں صرف ظاہری تعلیم نہیں بلکہ فہم دین، تدبر اور علمی بصیرت پیدا کرنا چاہتے تھے۔ یہی دعا بعد میں اس طرح قبول ہوئی کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ امت کے عظیم مفسر، محدث اور فقیہ بنے۔ **سیرت نبوی** میں حضرت زید بن ثابتؓ کی تربیت بھی نہایت قابل توجہ ہے۔ وہ نوجوانی میں اسلام لائے۔ رسول اللہ نے ان کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے انہیں عبرانی زبان سیکھنے کا حکم دیا تاکہ یہود کے خطوط کا ترجمہ کیا جا سکے۔ حضرت زیدؓ نے مختصر مدت میں یہ زبان سیکھ لی اور بعد میں کاتب وحی، قرآن کے جمع کرنے والوں اور امت کے بڑے علماء میں شمار ہوئے۔ یہ واقعہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ اسلام نوجوانوں کو دینی علوم کے ساتھ ساتھ زبانوں، انتظامی امور

---

[38] القرآن الجمعہ:2

[39] بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری (بیروت: دار ابن کثیر 2002) ح6038

[40] ایضا، ح143

اور عصری مہارتوں کے حصول کی بھی ترغیب دیتا ہے، بشرطیکہ ان کی بنیاد ایمان اور اخلاق پر ہو۔ رسول اللہؐ نے نوجوانوں کی شخصیت سازی کے لیے عملی ذمہ داریاں بھی سونپیں۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ نوجوانوں کی صلاحیتوں پر اعتماد کرتے، انہیں ذمہ داریاں دیتے اور ان کی عملی تربیت کرتے تھے۔ یہی اعتماد ان کی شخصیت میں خود اعتمادی، قیادت اور احساس ذمہ داری پیدا کرتا تھا۔ اسی طرح رسول اللہؐ نے فرمایا:

"مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ"[41]

اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو۔

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ تربیت کا آغاز بچپن ہی سے ہونا چاہیے۔ نماز صرف عبادت نہیں بلکہ نظم، ذمہ داری، وقت کی پابندی اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا مؤثر ذریعہ بھی ہے۔

آج کا نوجوان اگرچہ جدید تعلیم حاصل کر رہا ہے، لیکن اس کی ایک بڑی تعداد والدین کے لیے احترام، اساتذہ کے ادب سچائی دیانت صبر تحمل اور معاشرتی ذمہ داری جیسے اوصاف سے محروم ہوتی جارہی ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ تعلیم کا مقصد صرف ڈگری اور ملازمت رہ گیا ہے، جبکہ شخصیت سازی اور کردار کی تعمیر کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ اس مسئلے کا مؤثر حل رسول اللہ نے نوجوانوں کو علم، عمل، عبادت، اخلاق، خدمت خلق، مشاورت، نظم وضبط اور قیادت کی ایسی جامع تربیت دی کہ وہ دنیا کے بہترین انسان بن کر ابھرے۔ آپ ہر نوجوان کی صلاحیت، مزاج اور حالات کے مطابق اس کی رہنمائی فرماتے تھے۔ یہی انفرادی اور جامع تربیتی منہج اسلام کی امتیازی خصوصیت ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں نوجوانوں کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ تعلیم اور تربیت کو ایک دوسرے سے الگ نہ سمجھا جائے۔ والدین اساتذہ، علماء، تعلیمی ادارے اور ریاست سب مل کر ایسا نظام قائم کریں جس میں قرآن وسنت، سیرت نبویؐ، اخلاق، کردار، علمی تحقیق اور عصری مہارتیں یکجا ہوں۔ جب نوجوان کو علم کے ساتھ تربیت بھی ملے گی تو وہ نہ صرف اپنی ذات بلکہ خاندان، معاشرے اور پوری امت کے لیے مفید اور مؤثر کردار ادا کر سکے گا۔

ناقص نظام تعلیم

رائج نظام تعلیم برطانوی مفکر لارڈ میکاولے کے افکار و نظریات پر مبنی ہے۔ عصر حاضر میں تنگ نظری، مقامیت، مادیت، اخلاقی بے راہ روی اور عورت کا استحصال، نوجوانوں میں بڑھتے ہوئے جرائم، نیز خودکشی کے گراف میں اضافہ، یہ سب ناقص نظام تعلیم کی وجہ سے ہے۔ نظام تعلیم میں ان خرابیوں سے یہ ثابت ہوتا ہے اس کو صحیح رخ دینے کی اشد ضرورت ہے تاکہ یہ فرد اور سماج دونوں کی اصل ضروریات کو پورا کر سکے۔ قرآن مجید میں سب سے پہلی وحی کا آغاز ہی علم سے کیا گیا:

"اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ"[42]

پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

یہ آیت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اسلام میں علم کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی رضا ہے۔ ایسا علم جو انسان کو اپنے خالق سے دور کر دے یا اخلاقی ذمہ داری سے غافل کر دے، اسلامی تصور تعلیم سے ہم آہنگ نہیں۔ **سیرت نبوی** میں تعلیم کا تصور نہایت جامع اور متوازن ہے۔ رسول اللہؐ نے مدینہ منورہ میں مسجد نبوی کو عبادت گاہ کے ساتھ ساتھ تعلیم و تربیت کا مرکز بنایا۔ مسجد کے ایک حصے میں اصحاب صفہ

41 سنن ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، (بیروت: المکتبہ العصریہ) ج1، ص133، ح495

42 القرآن، العلق: 1

کے لیے مستقل انتظام کیا گیا، جہاں وہ قرآن، حدیث، فقہ، اخلاق، دعوت اور عملی زندگی کی تربیت حاصل کرتے تھے۔ یہی ادارہ اسلامی تاریخ کا پہلا باقاعدہ تعلیمی مرکز تھا، جہاں تعلیم، تربیت، تزکیہ اور عملی زندگی کو ایک ساتھ پروان چڑھایا جاتا تھا۔ رسول اللہؐ صرف تعلیم دینے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ تعلیم کو سمجھنے، اس پر عمل کرنے اور دوسروں تک پہنچانے کی ترغیب بھی دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا:

"بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً"[43]

میری طرف سے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، اسے دوسروں تک پہنچاؤ۔

یہ حدیث اس بات کی طرف رہنمائی کرتی ہے کہ تعلیم کا مقصد صرف ذاتی علم میں اضافہ نہیں بلکہ معاشرے کی اصلاح اور خیر کی اشاعت بھی ہے۔ رسول اللہؐ نے تعلیم کے میدان میں خواتین کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ روایت کرتے ہیں کہ بعض خواتین نے عرض کیا: یارسول اللہ! مرد آپ کی مجلسوں سے زیادہ فائدہ اٹھالیتے ہیں، ہمارے لیے بھی ایک دن مقرر فرمادیجیے۔ چنانچہ رسول اللہؐ نے ان کے لیے الگ دن مقرر فرمایا، جس میں آپ انہیں تعلیم دیتے، نصیحت کرتے اور ان کے سوالات کے جواب دیتے۔ یہ واقعہ اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے کہ نبوی نظام تعلیم میں خواتین کی تعلیم کو بھی بنیادی اہمیت حاصل تھی۔ **سیرت نبوی** میں تعلیم کا ایک اہم پہلو سوال وجواب کا اسلوب بھی ہے۔ رسول اللہ نوجوانوں کی ذہنی استعداد کے مطابق سوال کرتے، ان کے جوابات سنتے اور پھر حکمت کے ساتھ رہنمائی فرماتے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن روانہ کرتے وقت آپ نے دریافت فرمایا: تم فیصلے کس چیز کے مطابق کروگے، انہوں نے عرض کیا: "اللہ کی کتاب کے مطابق۔" آپؐ نے فرمایا: "اگر اس میں نہ پاؤ؟" انہوں نے عرض کیا: "رسول اللہ کی سنت کے مطابق۔" آپ نے فرمایا: "اگر اس میں بھی نہ پاؤ؟" انہوں نے عرض کیا: "پھر اپنی پوری صلاحیت سے اجتہاد کروں گا"[44] اس پر رسول اللہؐ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرمایا کہ اس نے اپنے رسول کے قاصد کو صحیح سمجھ عطا فرمائی۔ یہ واقعہ اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ نبوی نظام تعلیم رٹنے کے بجائے فہم، استدلال، تحقیق اور اجتہادی صلاحیتوں کو فروغ دیتا تھا۔ رسول اللہؐ نے نوجوانوں میں عملی تربیت پر بھی خصوصی توجہ دی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کو زبانیں سیکھنے کی ذمہ داری دی، حضرت مصعب بن عمیرؓ کو معلم بناکر مدینہ بھیجا، حضرت اسامہ بن زیدؓ کو لشکر کا سپہ سالار مقرر فرمایا اور حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن میں قاضی اور معلم کی حیثیت سے بھیجا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی تعلیم صرف نظری معلومات تک محدود نہیں بلکہ عملی ذمہ داریوں کے ذریعے شخصیت سازی بھی کرتی ہے۔

آج کا تعلیمی نظام نوجوانوں کو مقابلہ بازی، امتحان، ڈگری اور ملازمت کی دوڑ میں تو آگے بڑھاتا ہے، لیکن ان میں دیانت، عدل، امانت خدمت خلق، برداشت، اجتماعی شعور اور اخلاقی قیادت جیسی صفات پیدا کرنے میں کمزور دکھائی دیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں معاشرے کو ماہر افراد تو مل جاتے ہیں، مگر باکردار قیادت کم پیدا ہوتی ہے۔ رسول اللہؐ نے علم کو ایمان، عمل، اخلاق اور خدمت انسانیت کے ساتھ جوڑا۔ آپ نے تعلیم کو تزکیۂ نفس، کردار سازی، فکری بیداری، معاشرتی اصلاح اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ذریعہ بنایا۔ یہی وہ جامع تعلیمی فلسفہ ہے جس نے چند دہائیوں میں عرب کے منتشر معاشرے کو دنیا کی بہترین علمی اور تہذیبی امت میں تبدیل کردیا۔ لہٰذا موجودہ دور میں ضروری ہے کہ تعلیمی نظام کو صرف معاشی ضروریات تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ اس میں قرآن وسنت، سیرت نبویؐ اخلاقی تعلیم، تنقیدی فکر، تحقیق، سماجی ذمہ داری، خدمت خلق اور کردار سازی کو بنیادی حیثیت دی جائے۔ والدین اساتذہ تعلیمی اداروں اور ریاست کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایسا متوازن

---

[43] بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری (بیروت: دار ابن کثیر 2002) ح 3461

[44] سنن ابو داؤد، سیلمان بن اشعث، (بیروت: المکتبہ العصریہ) ح 3592

نظام تعلیم تشکیل دیں جو نوجوانوں کو بیک وقت دیندار، باکردار، باصلاحیت اور معاشرے کے لیے مفید شہری بنا سکے۔ یہی سیرت نبویؐ کے تعلیمی منہج کا بنیادی پیغام ہے اور یہی عصر حاضر کے تعلیمی بحران کا دیرپا حل بھی ہے۔

اسلامی تاریخ سے ناواقفیت اور نوجوان

اپنی تہذیب و تاریخ اور علمی ورثہ سے مانوس و باخبر رہنا اشد ضروری ہے۔ جو قوم اپنی تاریخ اور علمی ورثے سے غفلت برتتی ہے۔ تو وہ صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتی ہے یا مٹادی جاتی ہے۔ اپنی تاریخ سے ناآشنا ہو کر کوئی بھی قوم یا ملت بہتر مستقبل اور ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتی۔ اس وقت امت مسلمہ کی صورت حال یہ ہے کہ اس کا یہ اہم سرمایہ اپنی تاریخ سے بالکل نابلد ہے۔ قرآن مجید میں گزشتہ اقوام کے واقعات صرف تاریخی معلومات کے لیے بیان نہیں کیے گئے بلکہ ان کا مقصد عبرت، اصلاح اور رہنمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ[45]"

یقیناً ان کے واقعات میں عقل والوں کے لیے بڑی عبرت ہے۔

اسی طرح ایک اور مقام پر فرمایا:

"فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِن قَبْلُ[46]"

زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ تم سے پہلے لوگوں کا انجام کیا ہوا۔

یہ آیات واضح کرتی ہیں کہ اسلامی نقطۂ نظر میں تاریخ محض ماضی کے واقعات کا مجموعہ نہیں بلکہ انسان کی فکری، اخلاقی اور عملی تربیت کا مؤثر ذریعہ ہے۔ **سیرت نبوی** کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے صحابۂ کرامؓ کی تربیت میں سابقہ انبیاء علیہم السلام اور گزشتہ اقوام کے واقعات کو بڑی اہمیت دی۔ قرآن مجید کے ذریعے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور دیگر انبیاء کے حالات بیان کیے گئے تاکہ مسلمان ان کی جدوجہد، صبر، استقامت اور توکل سے سبق حاصل کریں۔ رسول اللہؐ نے نوجوان صحابہؓ کی شخصیت سازی کے لیے انہیں اپنے اسلاف اور اکابر کی زندگیوں سے روشناس کرایا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زیدؓ، حضرت زبیر بن عوامؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ اور دیگر نوجوان صحابہؓ اپنے دینی ورثے سے مکمل آگاہ تھے۔ یہی تاریخی شعور بعد میں ان کی قیادت دعوت اور علمی خدمات کا سبب بنا۔ **سیرت نبوی** سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ نے نوجوانوں کو اپنی تاریخ پر فخر کرنا سکھایا، لیکن اس فخر کی بنیاد نسب، رنگ یا قومیت نہیں بلکہ ایمان، تقویٰ اور عمل صالح تھا۔ اسلامی تاریخ کا مطالعہ یہ بھی بتاتا ہے کہ نوجوانوں نے ہر دور میں امت کی قیادت کی ہے۔ حضرت علیؓ نے نوجوانی میں اسلام قبول کیا، حضرت مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ میں دعوت اسلام کی بنیاد رکھی، حضرت اسامہ بن زیدؓ نوجوانی میں لشکر کے سپہ سالار بنے، جبکہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کم عمری میں علم و تفسیر کے امام قرار پائے۔ بعد کے ادوار میں بھی امام شافعیؒ، امام نوویؒ، سلطان محمد فاتحؒ، صلاح الدین ایوبیؒ، محمد بن قاسمؒ اور دیگر شخصیات نے نوجوانی ہی میں ایسے کارنامے انجام دیے جنہوں نے اسلامی تاریخ کا رخ بدل دیا۔

آج کا نوجوان بدقسمتی سے اپنے ان روشن کرداروں سے ناواقف ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے ہیرو زیادہ تر فلمی شخصیات، کھیلوں کے ستارے یا سوشل میڈیا کی مشہور شخصیات بن گئے ہیں، جبکہ صحابۂ کرامؓ، تابعین، ائمہ، محدثین، مفسرین، سائنس دانوں اور مسلم مفکرین کی خدمات اس کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ اس خلا کے نتیجے میں نوجوان اپنی اصل تہذیبی شناخت سے دور اور دوسروں کی تہذیب سے مرعوب ہو جاتا ہے۔ رسول

---

[45] القرآن یوسف:111

[46] القرآن، الروم:42

اللہؐ نے ایک ایسی نسل تیار کی جسے اپنے ماضی پر اعتماد، اپنے دین پر یقین اور اپنے مستقبل پر امید تھی۔ آپ نے نوجوانوں کو قرآن، سیرت، تاریخ اور عملی ذمہ داریوں کے ذریعے ایسی فکری پختگی عطا کی کہ وہ دنیا کی قیادت کے اہل بن گئے۔ لہٰذا موجودہ دور میں ضروری ہے کہ نوجوانوں کو اسلامی تاریخ، سیرت نبوی، خلفائے راشدینؓ، صحابۂ کرامؓ، ائمہ مجتہدین، محدثین، مفسرین، مسلم سائنس دانوں اور اسلامی تہذیب کے علمی و تمدنی کارناموں سے روشناس کرایا جائے۔ تعلیمی نصاب، دینی ادارے، جامعات، میڈیا اور والدین اس سلسلے میں اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ جب نوجوان اپنے تاریخی ورثے سے واقف ہوں گے تو ان میں خود اعتمادی، فکری استحکام، تہذیبی شعور اور امت کی خدمت کا جذبہ پیدا ہوگا، اور یہی سیرتِ نبویؐ کے تربیتی منہج کا بنیادی مقصد بھی ہے۔

گلوبلائزیشن کے اثرات اور نوجوان

اکیسویں صدی میں گلوبلائزیشن (Globalization) نے دنیا کو ایک عالمی گاؤں کی شکل دے دی ہے۔ جدید ذرائع ابلاغ، انٹرنیٹ سوشل میڈیا، مصنوعی ذہانت، بین الاقوامی تجارت اور ثقافتی روابط نے دنیا کے مختلف معاشروں کو ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے۔ اس عمل نے جہاں علم، ٹیکنالوجی، معیشت اور ابلاغ کے میدان میں بے شمار مواقع فراہم کیے ہیں، وہیں اس کے نتیجے میں تہذیبی یلغار، فکری انتشار، اخلاقی انحطاط، صارفیت (Consumerism) مادہ پرستی اور مذہبی و ثقافتی شناخت کے بحران جیسے مسائل بھی پیدا ہوئے ہیں۔ ان اثرات سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والا طبقہ نوجوانوں کا ہے، کیونکہ وہ نئی ٹیکنالوجی اور عالمی رجحانات سے سب سے زیادہ وابستہ ہوتے ہیں۔ اسلام عالمی روابط اور اقوام کے درمیان باہمی تعاون کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ ان کی بنیاد عدل، خیر خواہی، اخلاق اور تقویٰ پر قائم کرنا چاہتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ"[47]

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف قوموں اور قبیلوں میں اس لیے تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ یہ آیت واضح کرتی ہے کہ اسلام مختلف اقوام اور تہذیبوں کے درمیان تعارف، تعاون اور مثبت تعلقات کا حامی ہے، لیکن برتری کا معیار نسل، زبان یا تہذیب نہیں بلکہ تقویٰ اور کردار ہے۔ **سیرت نبوی** اس عالمی فکر کی بہترین عملی مثال پیش کرتی ہے۔ رسول اللہ نے اسلام کی دعوت کو کسی خاص قوم، نسل یا خطے تک محدود نہیں رکھا بلکہ پوری انسانیت کے لیے رحمت بن کر مبعوث ہوئے۔ سیرت نبوی میں ہمیں مختلف تہذیبوں کے ساتھ تعامل کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ رسول اللہ نے حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی کے ساتھ حسنِ تعلقات قائم کیے، مختلف بادشاہوں کو دعوتی خطوط ارسال کیے، غیر مسلم وفود کا احترام کے ساتھ استقبال کیا اور مدینہ کے مختلف قبائل کے ساتھ میثاق مدینہ کے ذریعے ایک منصفانہ اور پرامن معاشرتی نظام قائم کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام عالمی روابط، مکالمے اور بین الاقوامی تعاون کی حوصلہ افزائی کرتا ہے، لیکن عقیدہ، اخلاق اور دینی اصولوں پر کوئی سمجھوتہ نہیں کرتا۔ رسول اللہ نے نوجوانوں کی فکری حفاظت پر بھی خصوصی توجہ دی۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

"احْفَظِ اللَّهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللَّهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ"[48]

اللہ کے احکام کی حفاظت کرو، اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو، تم اسے اپنے سامنے پاؤ گے۔ یہ حدیث نوجوانوں کو یہ تعلیم دیتی ہے کہ بدلتے ہوئے عالمی حالات، فکری دباؤ اور تہذیبی یلغار کے باوجود اگر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو مضبوطی سے تھامے

47 القرآن، الحجرات:13

48 ترمذی، محمد بن عیسیٰ الترمذی، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع (بیروت: دار الغرب الإسلامي، 1998ء) ح2515

رکھیں گے تو ان کی دینی شناخت محفوظ رہے گی۔عالم کاری کے اثرات میں ایک نمایاں پہلو صارفیت (Consumerism) بھی ہے۔جدید معاشرہ انسان کی شخصیت کو اس کے کردار، علم اور تقویٰ کے بجائے لباس، برانڈ، دولت اور ظاہری معیار سے جانچنے لگا ہے۔اس رجحان نے نوجوانوں میں مقابلہ بازی، فضول خرچی، دکھاوے اور احساس کمتری کو فروغ دیا ہے۔اسلام اس کے برعکس سادگی، قناعت اور میانہ روی کی تعلیم دیتا ہے۔

گلوبلائزیشن نے ڈیجیٹل ذرائع کے ذریعے معلومات تک رسائی آسان بنادی ہے، لیکن اسی کے ساتھ جھوٹی خبریں، فکری شبہات الحادی نظریات، غیر اخلاقی مواد اور تہذیبی انتشار بھی تیزی سے پھیل رہا ہے۔ایسے ماحول میں نوجوان کے لیے صرف معلومات کافی نہیں بلکہ صحیح فکر دینی بصیرت اور تنقیدی شعور بھی ضروری ہے۔قرآن مجید اس حوالے سے اصولی رہنمائی دیتے ہوئے فرماتا ہے:

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا[49]"

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

یہ آیت موجودہ ڈیجیٹل دور میں میڈیا لٹریسی، تحقیق اور معلومات کی تصدیق کے اصول کی بہترین بنیاد فراہم کرتی ہے۔**سیرت نبوی** کا مطالعہ واضح کرتا ہے کہ رسول اللہ نے صحابہ کرامؓ کو زمانے کے حالات سے باخبر رہنے، مختلف اقوام سے تعلقات قائم کرنے اور نئی زبانیں سیکھنے کی ترغیب دی، لیکن ان کی شخصیت کی بنیاد ہمیشہ ایمان، تقویٰ، علم، اخلاق اور وحی الٰہی پر رکھی۔یہی وجہ تھی کہ وہ مختلف تہذیبوں سے متاثر ہونے کے بجائے خود دنیا کی رہنمائی کرنے والے بن گئے۔

آج کے نوجوان کے لیے ضروری ہے کہ وہ جدید سائنس، ٹیکنالوجی، مصنوعی ذہانت، عالمی معیشت اور بین الاقوامی روابط سے فائدہ اٹھائے، لیکن اپنی اسلامی شناخت، اخلاقی اقدار، خاندانی نظام، دینی شعور اور سیرت نبوی کی تعلیمات کو ہر حال میں مقدم رکھے۔وہ مغرب کی مفید علمی و سائنسی ترقی سے استفادہ کرے، مگر اندھی تقلید، تہذیبی مرعوبیت اور اخلاقی انحطاط سے خود کو محفوظ رکھے۔لہٰذا عصر حاضر میں گلوبلائزیشن کے چیلنجز کا مؤثر حل یہی ہے کہ نوجوانوں کی فکری و اخلاقی تربیت قرآن و سنت، سیرت نبوی، اسلامی تہذیب اور مضبوط دینی شناخت کی بنیاد پر کی جائے۔والدین، اساتذہ، جامعات، دینی ادارے، ذرائع ابلاغ اور ریاست مل کر ایسا ماحول تشکیل دیں جس میں نوجوان جدید دنیا کے تقاضوں سے ہم آہنگ بھی رہیں اور اپنی اسلامی اقدار اور تہذیبی شناخت کو بھی مضبوطی سے برقرار رکھ سکیں۔یہی سیرت نبویؐ کا متوازن منہج ہے اور یہی موجودہ عالمی چیلنجوں کا پائیدار حل بھی ہے۔

نتائج البحث

اس بحث سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نوجوان کسی بھی قوم کی ترقی، بقا اور مستقبل کی تشکیل میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں۔قرآن و سنت اور اسلامی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ ہر دور میں اصلاح معاشرہ، فکری بیداری اور عظیم انقلابات میں نوجوانوں نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔تاہم عصر حاضر کا نوجوان طبقہ متعدد فکری، اخلاقی، تعلیمی، معاشی اور تہذیبی مسائل سے دوچار ہے، جن میں مقصد زندگی سے غفلت، مغربی تہذیب کے اثرات، کیریئر پرستی، اخلاقی زوال، ناقص نظام تعلیم، اسلامی تاریخ سے دوری اور گلوبلائزیشن کے منفی اثرات نمایاں ہیں۔

قرآن مجید نوجوانوں کو ایمان، جرات اور حق پرستی کا عملی نمونہ پیش کرتا ہے، جبکہ احادیث نبوی جوانی کو ایک عظیم نعمت اور جواب دہی کا مرحلہ قرار دیتی ہیں۔سیرت نبوی سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ نوجوانوں کی تربیت محض سختی سے نہیں بلکہ حکمت، محبت اور فکری رہنمائی کے

---

49 القرآن، الحجرات: 6

ذریعے کی جائے۔ موجودہ مسائل کا حقیقی حل اسی وقت ممکن ہے جب نوجوانوں کو قرآن وسنت، سیرت نبوی، اعتدال، اعلیٰ اخلاق، مقصد حیات کے شعور اور متوازن تعلیم وتربیت سے جوڑا جائے۔

لہٰذا نوجوان نسل کی اصلاح اور رہنمائی کے لیے والدین، اساتذہ، علماء اور ریاستی اداروں کی مشترکہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی اقدار کی بنیاد پر ایسا ماحول فراہم کریں جس میں نوجوان اپنی صلاحیتوں کو مثبت، تعمیری اور بامقصد انداز میں استعمال کر سکیں۔

سفارشات

- نوجوان نسل کی اخلاقی، فکری اور دینی تربیت کے لیے تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیمات کو مؤثر انداز میں شامل کیا جائے تاکہ نوجوانوں میں اچھے اخلاق، مثبت سوچ اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہو۔
- والدین اور اساتذہ نوجوانوں کی کردار سازی میں اہم کردار ادا کریں اور انہیں قرآن وسنت کی روشنی میں زندگی گزارنے کی عملی تربیت فراہم کریں۔
- جدید ذرائع ابلاغ اور سوشل میڈیا کو نوجوانوں کی اخلاقی وفکری تربیت کے لیے مثبت انداز میں استعمال کیا جائے اور انہیں غیر اخلاقی مواد اور منفی رجحانات سے محفوظ رہنے کی آگاہی دی جائے۔
- .نوجوانوں کی صلاحیتوں کو بہتر بنانے کے لیے تعلیمی، تحقیقی اور تخلیقی سرگرمیوں کے مواقع فراہم کیے جائیں تاکہ ان کی فکری نشوونما کے ساتھ عملی زندگی میں کامیابی کی راہیں بھی ہموار ہوں۔
- .معاشرے میں اسلامی اقدار، خدمتِ خلق، دیانت داری، سچائی اور احساسِ ذمہ داری کو فروغ دینے کے لیے علماء، اساتذہ، والدین اور سماجی اداروں کو مشترکہ کوششیں کرنی چاہییں۔
- .مستقبل میں اس موضوع پر مزید تحقیقی کام کیا جائے تاکہ نوجوان نسل کی اخلاقی وفکری تربیت کے مسائل، ان کے اسباب اور ان کے حل کے لیے مؤثر تجاویز سامنے لائی جا سکیں۔